مروجہ انشورنس اور اس کے شرعی متبادل تکافل کا نظریاتی جائزہ

خلیل احمد اعظمی ☆

تلخیص:

عالم اسلام کے مقتدر علمی حلقوں میں اس وقت مروجہ انشورنس کے ایسے متبادل پر غور ہو رہا ہے جس میں انشورنس میں پائی جانے والی خرابیاں سود، قمار اور غرر نہ ہوں لیکن مروجہ انشورنس کے متبادل نظام کی تلاش سے پہلے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے اصل نظریہ اور مقاصد پر غور کیا جائے کہ آیا اس کا اصل نظریہ اور مقصد بھی شریعت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، اگر مروجہ انشورنس کا اصل نظریہ ہی شریعت کے مطابق نہیں ہے تو اس کے متبادل کی تلاش سعی لا حاصل کے علاوہ کچھ نہیں، اس کی مثال ایسی ہوگی کہ جیسے کوئی شخص دوسروں کا مال غصب اور چوری کر کے کھانے کا عادی ہو وہ آپ سے یہ کہے کہ میں دوسروں کا مال اسی طرح حاصل کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے اس کا کوئی شرعی متبادل بتادیں، ظاہر ہے کہ اس خواہش کی تکمیل نہیں کی جاسکتی کیونکہ غصب اور چوری کا اصل مقصد ہی اکل بالباطل یعنی ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال حاصل کرنا ہے، ہاں اگر مقصد اور اصل نظریہ شریعت کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہو تو پھر متبادل پر غور کیا جاسکتا ہے۔

زیر نظر مضمون میں ہمیں انشورنس کے اصل نظریہ کا جائزہ لینا ہے تاکہ اس کا فیصلہ کیا جا سکے کہ اس کے شرعی متبادل کی تلاش ممکن ہے یا نہیں۔

انشورنس کا آغاز:

انشورنس کی ابتداء تعاونی بیمہ یعنی Cooperative Insurance کی صورت میں ہوئی جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کچھ تجار یا ایک پیشہ سے وابستہ لوگ جنہیں مستقبل میں کسی یکساں خطرہ کا اندیشہ ہوتا تھا وہ آپس میں یہ طے کر

☆ طالب علم (پی۔ایچ۔ڈی)، شعبہ القرآن والسنہ، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

لیتے تھے کہ ہم سب کچھ رقم کسی کے پاس جمع کرائیں گے اور دوران تجارت یا سفر اگر ہم میں سے کسی کو یہ خطرہ پیش آجائے تو اس جمع شدہ رقم سے اس کا تدارک کیا جائے گا اور مصیبت زدہ شخص کی مدد کی جائیگی۔

تعاونی بیمہ کی تعریف:

شیخ مصطفیٰ زرقاء انشورنس کی اس شکل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

هو تعاون مجموعة من الا شخاص ممن يتعرضون من المخاطر على تعويض الخسارة التى قد تصيب احد هم عن طريق اكتتابهم بمبالغ نقدية ليؤ دى منها التعويض لا ى مكتتب منهم عند ما يقع الخطر المومن منه (۱)

''تعاونی بیمہ یہ ہے کہ کچھ افراد جنہیں مستقبل میں کسی خاص نوع کے خطرہ کا سامنا ہے وہ اس کے نقصان کی تلافی کے لئے تعاون کی یہ شکل اختیار کریں کہ سب کچھ نقد رقم کا التزام کرلیں جس سے انہیں میں سے اس شخص کے نقصان کی تلافی کی جاسکے جسے وہ خطرہ پیش آجائے''۔

انشورنس کی یہ خاص نوع تو بہت قدیم ہے ہزاروں سال سے مختلف اشکال میں یہ نوع ہر زمانہ و معاشرہ میں موجود رہی ہے، ابن خلدون نے عرب جاہلیت کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ گرمی اور سردی میں جو دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے اس میں اہل قافلہ یہ طے کیا کرتے تھے کہ اگر دورانِ سفر کسی کا اونٹ ہلاک ہوگیا یا کسی کا تجارتی مال ہلاک ہوگیا تو تمام اہل قافلہ اپنے اصل سرمایہ کے تناسب سے اس کا نقصان برداشت کریں گے اور اس کی مدد کریں گے (۲)

رفتہ رفتہ تعاونی بیمہ نے باقاعدہ عقد کی شکل اختیار کرلی اور سرمایہ دارانہ ذہنیت نے اسے منظم کاروبار کی شکل دیدی، انشورنس کرنے والے نے سمندری تجارت میں ہونے والے اوسط نقصان کا اندازہ لگایا اور یہ سوچا کہ تاجروں سے انشورنس کرنے کے لئے کتنی رقم وصول کی جائے کہ اس سے ان کے متوقع نقصان کی تلافی بھی کی جاسکے اور کچھ رقم نفع کی شکل میں میرے پاس بھی بچ جائے یہ سب کچھ اندازہ لگا کر تجار کو یہ پیش کش کی جانے لگی کہ اتنی رقم اگر پریمیم کی شکل میں جمع کرائی جائیگی تو انہیں پیش آنے والے متوقع نقصان کی تلافی ہماری ذمہ داری ہوگی۔

تعاونی بیمہ میں یہ تبدیلی اور ارتقاء چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوا جب اٹلی کے تجار نے سمندری تجارت میں اس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس کا دائرہ کار سمندری تجارت سے آگے بڑھ کر آگ و دیگر آفات سے بچاؤ کے لئے بیمہ کرانے تک اور پھر زندگی کے بیمہ تک پھیل گیا (۳)۔

تعاونی بیمہ کی ارتقائی شکل کی تعریف:

انشورنس کی اسی ارتقائی شکل کو سامنے رکھتے ہوئے اب جو انشورنس کی تعریف کی جاتی ہے وہ تعاونی بیمہ کی تعریف سے مختلف ہے بلیک لاء ڈکشنری میں انشورنس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

A contract wherby for a stipulated consideration one party undertakes to compensate the other for loss on a specified subject by specified perils. (4).

انشورنس ایک ایسے عقد کا نام ہے جس میں ایک پارٹی طے شدہ معاوضہ کے عوض دوسری پارٹی کو یہ یقین دہانی کراتی ہے کہ متعینہ معاملہ میں اگر فلاں متعین نقصان ہوا تو وہ اس کی تلافی کریگی۔

ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری انشورنس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التامین عقد یلتزم المئو مین بمقتضاہ ان یؤ دی الی المؤ من لہ و الی المستفید الذی اشترط التامین لصالحہ مبلغاً من المال أ و ایراد امرتبا أوای عوض مالی آخر فی حالۃ وقوع الحادث أ و تحقق الخطر المبین بالعقد وذلک فی نظیر قسط أوأیۃ مالیۃ أخری یؤ دیھا المؤ من لہ للمؤ من (۵)

تامین ایسا عقد ہے جس میں انشورنس کرنے والا (Insurer) عقد میں بیان کردہ کسی خطرہ کے پیش آنے کی صورت میں انشورنس کروانے والے (Insured) کو یا اس کے نامزد کسی فرد کو متعینہ لمسم رقم یا متعینہ اقساط کی صورت میں رقم یا اور کوئی مالی معاوضہ ادا کرتا ہے اور یہ ادائیگی اس رقم کے عوض ہوتی ہے جو انشورنس کروانے والا انشورنس کرنے والے کو ادا کرتا ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انشورنس باقاعدہ ایک عقد ہے اس میں عقد کے چاروں عناصر موجود ہیں ایک فریق وہ ہے جو انشورنس کروانا چاہتا ہے ''مومن لہ'' (Insured) کہا جاتا ہے جبکہ دوسرا فریق انشورنس کرنے والا ہے جسے مئومن (Insurer) کہا جاتا ہے، اس عقد کا معقود علیہ (Subject Mater) وہ خطرہ ہے جس کے تدارک کے لئے انشورنس کروایا جارہا ہے اور عوض (Consideration) پریمیم کی وہ رقم ہے جو انشورڈ متفرق اقساط یا یکمشت رقم کی صورت میں انشورنس کرنے والے کو ادا کرتا ہے۔ یہ انشورنس کی ارتقائی شکل ہے جسے سرمایہ دارانہ ذہنیت نے باقاعدہ عقد (Contract) بنادیا۔

انشورنس کی ابتدائی شکل اور ارتقائی شکل کے اس مختصر تعارف کے بعد ہمیں ان کا بنیادی تصور (Concept) سوچنا ہے اور پھر اس کی شرعی حیثیت پر غور کرنا ہے۔

تعاونی بیمہ کا بنیادی تصور

تعاونی بیمہ انشورنس کی ابتدائی شکل تھی اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کا مل کر سامنا کیا جائے اور اگر کسی کو کوئی نقصان پیش آتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ تنہا اس کا سامنا کرے سب مل کر اس کی تلافی کریں اس تصور کو رسک مینجمنٹ کی اصطلاح میں Risk Sharing کہا جاسکتا ہے۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اگر اس مقصد کا جائزہ لیا جائے تو یہ نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ پسندیدہ ہے درج ذیل نظائر اس کے مستحسن ہونے پر شاہد ہیں۔

اس تصور کے مؤیدات:

قرآن وحدیث میں بے شمار نصوص ہیں جن میں اس کی ترغیب آئی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کی مدد کیا کریں مثلاً اللہ پاک کا ارشاد ہے:

تعاونو اعلی البرو التقویٰ (٦)

نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أ خیه (٧)

''اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد فرماتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے''

قبیلہ اشعر کا عمل اور حضور کی تحسین:

۲۔احادیث میں آتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قبیلہ اشعر کے لوگوں کا یہ عمل ذکر کیا کہ جب ان کے پاس سامانِ خردونوش کی قلت ہوتی تو ہر ایک کے پاس جو سامان ہوتا وہ لے آتا اور سب ایک جگہ جمع کر کے ایک برتن کے ذریعہ سب میں برابر تقسیم کر دیا جاتا، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کا یہ عمل نہ کہ پسند فرمایا بلکہ فرمایا کہ ''وہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں''۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ان الفاظ میں مذکور ہے۔

عن أ بی مو سیٰ قال قال النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم : ان الا شعر یین اذا أ رملو ا فی الغزو أ و قل طعام عیالهم بالمدینة جمعوا ماکان عندهم فی ثوب و احدثم اقتسموه بینهم فی اناء واحد بالسویة منی وانا منهم (٨)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ اشعر سے تعلق رکھنے والے لوگ جب سفر میں نہایت تنگدست ہو جاتے ہیں یا شہر میں ان کے عیال کے لئے طعام کی قلت ہو جاتی ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں وہ آپس میں ایک برتن کے ذریعہ برابر تقسیم کر لیتے ہیں، پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

دیکھئے گھر سے ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق زادِ راہ لیکر نکلا ہوگا لیکن جب یہ اندیشہ ہوا کہ کچھ لوگوں کے پاس توشہ ختم ہونے والا ہے تو اسے بھوک وافلاس کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہا نہیں چھوڑا بلکہ سب نے اپنا اپنا توشہ ایک جگہ جمع کر کے اسے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیا تا کہ بھوک وافلاس سے کوئی تنہا متاثر نہ ہو سب ملکر اس کا مقابلہ کریں اور اس کے تدارک کی کوشش کریں، اسی کو رسک شیئرنگ کہا جاتا ہے اور یہی تعاونی بیمہ میں ہوتا ہے یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے، استادمحترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اس کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

و فی الحدیث جواز ھبة المجھول و فضیلة الا یثار و المواساة و استحباب خلط الزاد فی السفر و فی الا قامة ایضلاً (۹)

اس حدیث سے مجہول چیز کے ھبہ کا جواز معلوم ہوتا ہے اور ایثار وغمخواری کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس کا بھی استحباب معلوم ہوتا ہے کہ سفر اور حالت اقامت میں جو کچھ توشہ موجود ہو اسے ملا کر استعمال کرنا چاہیے۔

میثاقِ مدینہ:

۳۔ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے انصار، مہاجرین اور یہود مدینہ کے درمیان ایک معاہدہ کروایا جو ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں معروف ہے اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مہاجرین قریش میں سے اگر کوئی کسی کو خطاء قتل کر دے تو تمام مہاجرین قریش اس کی دیت ادا کریں گے اور اگر کوئی قید ہو جائے تو سب اس کا فدیہ ادا کریں گے، یہی معاہدہ انصار کے مختلف قبائل اور یہودیوں سے بھی ہوا، علامہ ابن ہشام نے یہ پورا واقعہ اپنی سیرت میں نقل کیا ہے، ایک جگہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

المھاجرون من قریش علی ربعتھم یتعا قلون بینھم و ھم یفدون عانیھم بالمعروف والقسط بین المؤ منین (۱۰)

''مہاجرین قریش اپنی پہلی حالت پر ہی رہیں گے ایک دوسرے کی دیت برداشت کریں گے اور اپنے قیدیوں کا انصاف کے ساتھ فدیہ دیکر انہیں چھڑائیں گے''

میثاقِ مدینہ کی یہ شق بھی تعاونی بیمہ کے ذکر کردہ مقصد کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ ضرورت کے وقت باہمی تعاون وتناصر کے جذبہ سے ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

مئواخاۃ

۴۔حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد انصار ومہاجرین میں مئواخاۃ کا تعلق قائم فرمایا تھا اس میں بھی اس کی صراحت تھی کہ جن دو آدمیوں کے درمیان مئواخاۃ کا تعلق ہے وہ مشکل وقت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ایک دوسرے کی دیت اور فدیہ برداشت کریں گے۔[۱۱]

نظام معاقل:

۵۔اسلام کا نظام معاقل بھی Risk Sharing کے اس تصور کے جواز کی واضح دلیل ہے قتل کی بعض صورتوں (مثلاً قتل، شبہ عمد، قتل خطاء) میں دیت واجب ہوتی ہے لیکن اس دیت کی مقدار چونکہ بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے شریعت نے یہ ضابطہ بنایا کہ یہ دیت صرف قتل کرنے والا ہی نہیں ادا کریگا بلکہ اس کی عاقلہ بھی ادائیگی میں اس کے ساتھ شریک ہوگی اور یہ مل کر تین سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کریں گے۔

صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے:

أن امرأة قتل ضرتها بعمود فسطاط فاتی فیه رسول اللہ صلی علیه وسلم فقضیٰ علی عاقلتها بالدیة (۱۲)

ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی چوب مار کر قتل کر دیا یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے اس کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ فرمایا۔

عاقلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا باہمی تعاون وتناصر کا تعلق رہتا ہے۔مثلاً قبائلی نظام میں قبیلہ عاقلہ کا مصداق ہوا کرتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں دیوان بنائے اور تمام اہل دیوان ایک دوسرے کے عاقلہ ہوا کرتے تھے آج کے دور میں اگرچہ یہ صورتیں تو نہیں رہیں لیکن باہمی تعاون وتناصر کے لئے قبیلہ اور دیوان سے ملتی جلتی اور شکلیں وجود میں آگئیں مثلا فیکٹری وغیرہ میں یونین، سیاست میں سیاسی جماعتیں، ٹرانسپورٹ وغیرہ میں ٹرانسپورٹ فیڈریشن اور تجار کی چیمبر آف کامرس وغیرہ یہ سب عاقلہ کا مصداق بن سکتی ہیں چنانچہ اگر کسی ٹرانسپورٹر نے ایکسیڈنٹ وغیرہ میں کسی کو مار دیا تو عاقلہ کے نظام کے مطابق اس کی دیت پوری ٹرانسپورٹ فیڈریشن پر آنی چاہیے۔(۱۳)

اسلام کے اس نظام معاقل پر غور کریں تو اس سے بھی تعاونی بیمہ کے بنیادی تصور کی تائید ہوتی ہے کہ خطرات کا

مل کر سامنا کیا جائے کسی ایک کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔

یہ تمام شواہد اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ اگر کچھ لوگ باہمی رضامندی سے کچھ رقوم جمع کریں اور یہ طے کر لیا جائے کہ ہم میں سے جسے بھی خطرہ پیش آئیگا اس رقم سے اس کے ساتھ تعاون کیا جائے گا تا کہ سب مل کر خطرہ کا سامنا کریں کوئی تنہا اس کا مقابلہ نہ کرے، یہ مقصد نہ یہ کہ جائز ہے بلکہ شرعاً پسندیدہ بھی ہے۔

تعاونی بیمہ کی ارتقائی شکل کا بنیادی تصور:

ان انشورنس کی ارتقائی شکل پر غور کرتے ہیں کہ اس کا مقصد بھی شریعت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ تعاونی بیمہ کی ارتقائی شکل جو سرمایہ دارانہ ذہنیت کے سایہ میں پروان چڑھی اس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ لوگ کسی فرد یا ادارہ سے یہ عقد کر لیں کہ ہم آپ کو ہر مہینہ اتنی رقم دیں گے اور اس کے عوض آپ یہ التزام کریں کہ اگر ہمیں فلاں خطرہ یا نقصان پیش آیا تو آپ اس کا تدارک کریں گے۔

اس عقد میں انشورنس کروانے والے (Insured) کا مقصد تو یہ ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے اپنی حفاظت کی جائے اور اگر پیش آجائے تو اس کے سدّ باب کا انتظام کیا جائے، اور جو شخص یا ادارہ انشورنس کر رہا ہے (Insurer) اس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد کو جن خطرات کا سامنا ہے ان کے نقصانات کے تدارک کے لئے ایسا نظام وضع کیا جائے کہ نقصان کا تدارک بھی ہو جائے اور میرے پاس بھی کچھ رقم بچ جائے۔

ان مقاصد پر اگر غور کیا جائے تو انشورنس کروانے والے اور انشورنس کرنے والے دونوں کے مقاصد شرعاً جائز ہیں ان میں کوئی قباحت نہیں۔

رسک ٹرانسفر کے نظائر:

انشورنس کروانے والے کا جو مقصد ہے اسے رسک مینجمنٹ کی اصطلاح میں رسک ٹرانسفر (Risk Transfer) سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ تصور شریعت اسلامیہ میں کوئی اجنبی نہیں ہے اس کی بھی بے شمار نظائر موجود ہیں لیکن ان نظائر کے ذکر کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہم اس مقالہ میں صرف نفسِ تصور اور مقصد سے بحث کر رہے ہیں اسی کا جائزہ لینا مقصود ہے، عملی طریقہ کار سے گفتگو فی الحال نہیں کر رہے اس لئے مقاصد سے اتفاق کو یہ تصور نہ کیا جائے کہ انشورنس کا جو عملی طریقہ رائج ہے ہم اس سے بھی متفق ہیں عملی طریقہ پر انشاء اللہ الگ مضمون میں گفتگو کریں گے اب نظائر دیکھئے۔

ولاء الموالات

ا۔اسلام میں والاء الموالات کا تصور اس کی واضح دلیل ہے اگر کوئی شخص اسلام لائے اور اس کے دیگر مسلمان اعزہ وا قارب موجود نہ ہوں تو اسے اس کی اجازت ہے کہ وہ کسی مسلمان سے ولاء کا عقد کر لے کہ اگر اس نومسلم کا انتقال ہو جائے اور اس کے دیگر مسلمان ورثہ موجود نہ ہوں تو اس کی میراث اسی شخص کو ملے گی جس سے ولاء کا عقد کیا گیا ہے اور اگر اس نومسلم پر کسی جنایت کی وجہ سے دیت یا یا تاوان وغیرہ واجب ہو تو اس دیت اور تاوان کی ادائیگی بھی اسی کی ذمہ داری ہو گی مولیٰ اور اس کی عاقلہ مل کر اس کی دیت اور تاوان ادا کریں گے۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے نصب الرایہ میں مختلف احادیث وآثار نقل کئے ہیں جن سے اس عقد کا جواز معلوم ہوتا ہے، حضرت مجاہد کا اثر نقل کرتے ہیں:

أن رجلا أتى عمر فقال : ان رجلا أسلم على يدى فمات و ترك ألف درهم فتحرجت منها فقال: أرأيت لو جنى جناية على من تكون قال : على ، قال فمير اثه لل (١٣)

ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ایک شخص میرے ہاتھ پر اسلام لایا اس کا انتقال ہو گیا، اس نے ایک ہزار درہم چھوڑے ہیں میں اس کا کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی جنایت کرتا تو کس پر ہوتی اس نے عرض کیا مجھ پر، آپ نے فرمایا اس کی میراث بھی تمہارے لئے ہو گی۔

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مستدرک میں حضرت تمیم داری کی روایت نقل کرتے ہیں:

عن تميم الدارى رضى الله عنه قال : سالت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن الرجل يسلم على يدى الرجل فقال هوا اولىٰ بمحياة و مماته (١٥)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو کسی کے ہاتھوں پر اسلام لایا، آپ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ پر وہ اسلام لایا ہے وہ شخص اس نومسلم کی زندگی اور موت کے بعد اس کے زیادہ قریب ہے (یعنی زندگی میں اس نے نو مسلم پر جو ذمہ داریاں آئیں گی وہ برداشت کریگا اور مرنے کے بعد اس کا بنے گا)

میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے عقد موالات کافی موثر تھا، لیکن میراث کے احکام نازل ہونے کے بعد یہ پابندی لگ گئی کہ دونوں شخص جنہوں نے یہ عقد کیا ہے اگر ان کے مسلمان رشتہ دار (عصبہ، ذوی الفرائض، ذوی الا رحام) موجود ہوں تو پھر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے لیکن اگر کسی کے یہ مسلمان رشتہ دار موجود نہ ہوں تو پھر اس

عقد کے تحت یہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے (۱۶)

ولاء الموالات کے مذکورہ بالا عقد کا بنیادی مقصد ہی اپنے رسک کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے کہ اس نو مسلم شخص کا کوئی مسلمان رشتہ دار نہیں ہے، اگر کبھی کسی وجہ سے اس پر دیت لازم ہو جاتی ہے جو کہ خاصی بڑی مقدار ہوتی ہے تو وہ کیسے ادا کریگا اس مقصد کے لئے وہ دوسرے مسلمان سے موالات کا عقد کر لیتا ہے اور ''الغرم بالغنم'' کے ضابطہ کے مطابق جب وہ دوسرا شخص اس کی دیت اور تاوان برداشت کریگا تو اسے میراث کی شکل میں شریعت نے اس کا فائدہ بھی دیا۔

حوالہ

۲۔حوالہ بھی شرعاً مشروع ہے جس میں مدیون اپنا دین کسی دوسرے شخص کی طرف محول کر دیتا ہے اور دائن سے کہتا ہے کہ میرے بجائے فلاں شخص سے تم میرا دین وصول کر لو، احادیث مبارکہ سے اس کی اجازت ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی کی روایت ہے:

عن ابی هویره رضی الله تعالی عنه أن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم قال:

مطل الغی ظلم فاذا أ تبع احد کم علی ملیی فلیتبع (۱۷)

وسعت شخص کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، پس جب تم میں سے کسی کو کسی صاحب وسعت شخص کے پیچھے لگا دیا جائے وہ قرض وصول کرنے کے لئے اسکا پیچھا کرے۔

اعلاء السنن میں مسند احمد کے حوالہ سے یہی حدیث نقل کی ہے اس میں الفاظ ہیں

ومن أ حیل علی ملیئی فلیحتل (۱۸)

جسے کسی مالدار کی طرف قرض وصول کرنے کے لئے محلول کیا جائے پس وہ حوالہ قبول کر لے۔

حوالہ میں بھی یہی رسک ٹرانسفرنگ کا تصور ہے کہ مدیون جب دین کی ادائیگی سے عاجز آجائے اور کوئی ضرورت ہو تو وہ کسی مالدار شخص سے بات کر کے قرض خواہ کو اس کے پاس بھیج سکتا ہے، چنانچہ حوالہ کے بعد قرضخواہ اپنے مقروض سے مطالبہ نہیں کر سکتا وہ صرف اسی سے مطالبہ کریگا جس نے اس حوالہ کے تحت قرض کی ادائیگی قبول کی ہے۔

جہاں تک انشورنس کرنے والے فرد یا ادارہ کے مقصد کا تعلق ہے اس میں بھی کوئی خرابی نہیں، وہ دوسروں کے نقصان کی تلافی اپنے ذمہ لے رہا ہے، فقہاء کرام کے یہاں اس کی نظیریں بھی موجود ہیں۔

ضمان خطر الطریق:

۱۔فقہاء احناف نے ضمان الطریق کی اجازت دی ہے کہ کوئی شخص کسی خاص راستہ پر سفر کرنے سے ہچکچا رہا ہے،

دوسرا شخص اس سے کہتا ہے کہ تم اس راستہ سے چلے جاؤ اگر تمہارا مال واسباب کسی نے چھین لیا تو میں اس کا ضامن ہوں، اس ضمان کی اجازت ہے اور اگر اس شخص کا سامان اس راستہ پر سفر کرتے ہوئے چھین لیا گیا تو ضمان دینے والے سے شرعاً و قانوناً ضمان کی تلافی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔(۱۹) کیونکہ اس نے اپنے اوپر اس کا التزام کیا تھا۔

ضمان بالدرک:

۲۔اسی طرح ضمان بالدرک کی تو بالاجماع اجازت ہے کہ ایک شخص کسی سے سامان خریدنا چاہتا ہے لیکن وہ بیچنے والے کو بہتر طور پر جانتا نہیں، اسے اندیشہ ہے کہ کہیں اس میں عیب نہ نکل آئے یا یہ سامان کسی اور کا نہ ہو، دوسرا شخص اسے اطمینان دلاتا ہے اور یہ التزام کرتا ہے کہ اگر اس میں کسی کا حق نکل آیا یا اس میں عیب نکلا تو میں ضامن ہوں گا، تمام فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

شیخ وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں

> **وقد اجمع الفقهاء على صحة ضمان الدرک و هو أن يضمن شخص للمشترى الثمن ان خرج المبيع مستحقاً او معيباً الخ (۲۰)**
>
> فقہاء کرام کا ضمان بالدرک کے جواز پر اجماع ہے اور اس کی صورت ی ہوتی ہے ک کوئی شخص خریدار کے لئے ضامن بن جاتا ہے اور اگر مبیع میں استحقاق نکل آیا یا اس میں عیب نکل آیا تو وہ اس کی ثمن کا ضامن ہوگا۔

ان دونوں نظائر میں ایک شخص دوسرے کے نقصان کو خود برداشت کرنے کا التزام کر رہا ہے اور اس کی اجازت دی گئی ہے، البتہ یہ واضح رہنا چاہیے کہ ان دونوں صورتوں میں ضمانت دینے والا اس ضمانت کی کوئی اجرت وصول نہیں کرسکتا، اس لئے ان نظائر سے صرف موجودہ انشورنس کے تصور کے جواز پر تو استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی عملی شکل کے جواز پر استدلال ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

لائف انشورنس کا بنیادی تصور:

اب صرف لائف انشورنس کا تصور رہ جاتا ہے، آخر ہم اس کا جائزہ لیکر اپنی گفتگو سمیٹتے ہیں، لائف انشورنس کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انشورنس کروانے والا اپنی آمدنی سے کچھ بچا کر رکھنا چاہتا ہے تاکہ مستقبل میں یہ بچت اس کے کام آئے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی اولاد کے کام آئے، یہ تصور بھی اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں، صحیح بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے حضور عیادت کے لئے تشریف

لائے، آپ نے حضور سے اپنا پورا مال راہ خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت نہیں دی، پھر آدھے مال کی وصیت کی اجازت طلب کی آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا، آخر میں انہوں نے تہائی مال کی وصیت کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دیدی لیکن ساتھ ساتھ یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا:

انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس فی ایدیهم (۲۱)

تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ دو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدست چھوڑ و کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔

معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کی فلاح کے لئے اگر کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ انہیں اس کے مرنے کے بعد فوری طور پر مالی پریشانی نہ ہو تو یہ نہ صرف یہ کام جائز بلکہ پسندیدہ ہے، اسی طرح قرآن کریم میں مذکور حضرت یوسف علیہ اسلام کے واقعہ سے بھی رہنمائی لی جاسکتی ہے کہ آپ نے شاہ مصر کو نہ صرف یہ بتلایا کہ آئندہ قحط پیش آنے والا ہے بلکہ یہ بھی مشورہ دیا کہ اس قحط کے ہولناک اثرات سے حفاظت کے لئے ابھی سے غلہ جمع کرنے کی صورت اختیار کی جائے تا کہ مستقبل میں زیادہ پریشانی نہ ہو، غرضیکہ مستقبل کی انفرادی ضروریات ہوں یا اجتماعی ضروریات انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے رقم پس انداز کرنا قرآن وسنت کے متصادم نہیں۔

انشورنس کے متبادل کی ضرورت کیوں؟

انشورنس کی ان مختلف شکلوں اور ان کے تصورات ونظریات کے مذکورہ بالا تحقیقی جائزہ کے نتیجہ میں یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ مروجہ انشورنس کا نظریہ اور تصور شریعت کے اصولوں سے متصادم نہیں ہے، اس لئے اگر اس کا متبادل تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں قباحت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کی شرعی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ آج پوری دنیا کا معاشی نظام جن ستونوں پر قائم ہے ان میں سے ایک اہم ستون انشورنس بھی ہے اور اس میں لوگ انفرادی واجتماعی طور پر چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی مبتلا ہیں علماء وقت کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ اس کا ایسا حل پیش کریں جو شریعت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے انشورنس کے جائز مقاصد اور نظریات کی تکمیل بھی کرے۔

لیکن اس سوال کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ جب انشورنس کی ان مختلف صورتوں کا بنیادی تصور اور نظریہ صحیح ہے تو اس کے متبادل کی تلاش کیوں؟ اسے کیوں نہیں جائز سمجھا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے نظریہ اور مقصد کا صحیح ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا عملی طریقہ کار بھی شریعت کے اصول کے خلاف نہ ہو، اگر کسی چیز کا عملی طریقہ کار شریعت کے مطابق نہیں ہے تو خواہ مقصد اور تصور کتنا ہی مقدس اور پاکیزہ کیوں نہ ہو اسے جائز

نہیں کہا جا سکتا، مثلاً دیکھئے مشرکین مکہ بتوں کی جو پرستش کیا کرتے تھے اس کا مقصد بھی کتنا نیک تھا ان کا دعویٰ تو تھا: ''ما نعبد ھم الا لیقر بونا الی اللہ زلفیٰ'' ہم ان بتوں کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، وہ محض تقریب خداوندی چاہتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کا فعل شرک قرار پایا جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے، معلوم ہوا کہ مقصد کے صحیح ہونے کے ساتھ طریقہ کار بھی صحیح ہونا چاہتے، اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہونا چاہئے، یہ جہاں شریعت کا قانون ہے وہاں دنیوی قانون بھی ہے، قانون بھی محض نیت، مقصد اور اصل نظریہ کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ فیصلہ عملی طریقہ کار کو دیکھتے ہوئے کرتا ہے۔

موجودہ انشورنس کا نظریہ بیشک صحیح بلکہ کسی حد تک پسندیدہ بھی ہے لیکن اس کا جو مروجہ طریقہ کار ہے اس میں شرعی نقطۂ نظر سے ربوا، قمار اور غرر کی خرابیاں موجود ہیں جو شرعاً بالکل ناجائز ہیں اور قرآن وحدیث میں ان کی حرمت پر صریح نصوص موجود ہیں، فی الوقت اس مقالہ کی تنگدامنی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس موضوع پر گفتگو کریں اور یہ جائزہ لیں کہ یہ خرابیاں موجودہ انشورنس میں کیسے پائی جارہی ہیں؟ اس پر انشاء اللہ کسی اور مقالہ میں بحث کریں گے لیکن ان خرابیوں کی موجودگی اور انشورنس کی ضرورت یہ تقاضہ ضرور کرتی ہے کہ اگر انشورنس کا بنیادی تصور صحیح ہے تو ان خرابیوں کی موجودگی اور انشورنس کی ضرورت یہ تقاضہ ضرور کرتی ہے کہ اگر انشورنس کا بنیادی تصور صحیح ہے تو ان خرابیو سے پاک ایسا متبادل تلاش کرنا چاہتے جو شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے انشورنس کے مقاصد کی تکمیل کر سکے، تکافل کے نام سے متبادل درحقیقت علماء کرام اور ریسرچ اسکالرز کی انہی کاوشوں کی ایک شکل ہے جو اس وقت پوری دنیا میں مقتدر علمی حلقوں کے غور فکر کا موضوع ہے۔

حواشی

(۱) الزرقاء۔الاستاد مصطفیٰ احمد الزرقاء۔نظام التامین،عمان مئوسسۃ الرسالۃ (۴۲۔۴۳)

(۲) ابن خلدون،مقدمہ ابن خلدون،دارالشعب (۳۵۵) بحوالہ التامین الاسلامی،ڈاکٹر علی محی الدین القرۃ داغی، دارالبشائر الاسلامیۃ (۱۹۶)

(۳) السنہوری۔ڈاکٹر عبدالرزاق احمد،الوسیط فی شرح القانون المدنی،بیروت،داراحیاء التراث العربی ۱۹۶۴ء

(۴) Garner, Brayan A. Garner, Black's Law Dictionary. America, West Group, Fifth Addition. (Page:721).

(۵) السنہوری،ڈاکٹر عبدالرزاق احمد،الوسیط فی شرح القانون المدنی،بیروت،داراحیاء التراث العربی،۱۹۶۴ء (۱۰۸۴/۷)

(۶) القرآن (۵/۲)

(۷) السجستانی،ابوداؤد سلیمان بن الاشعث ابی داؤد (حدیث نمبر ۴۹۴۶ باب فی المعونۃ للمسلم کتاب الادب)

(۸) السجستانی،ابوداؤد سلیمان بن الاشعث،سنن ابی داؤد (حدیث نمبر ۲۴۸۶ کتاب الشرکۃ)

(۹) العثمانی،محمد تقی العثمانی،تکملۃ فتح الملہم،بیروت،داراحیاء التراث العربی (۲۰۸/۱۱،کتاب الفضائل)

(۱۰) ابن ہشام،عبدالملک ابن ہشام الحمیری،السیرۃ النبویۃ مصر،مصطفیٰ البابی ۱۹۵۵ (۵۰۱/۱)

(۱۱) الصالحی،محمد بن یوسف الصالحی الشامی،سبل الہدی والرشاد،القاھرۃ،لجنۃ احیاء التراث الاسلامی ۱۴۰۲ھ (۳۶۳/۳)

(۱۲) القشیری،مسلم بن الحجاج القشیری،صحیح مسلم،داراحیاء التراث العربی (حدیث نمبر ۴۳۷۰)

(۱۳) عاقلہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے:تکملۃ فتح الملہم (۳۳۲/۸)

(۱۴) الزیلعی،جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی،نصب الرایۃ،بیروت،مئوسسۃ الرسالۃ،الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۷ء (۱۵۸/۴،حدیث نمبر ۶۹۲۹)

(۱۵) النیساوری،المستدرک علی الصحیحین لحاکم النیسابوری،بیروت،دارالکتب العلمیہ (۲۳۹/۲،حدیث نمبر ۲۸۶۹)

(۱۶) عثمانی، ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، کراچی، ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیۃ ۱۶۰/ ۲۹۷، باب میراث مولی الموالات۔

(۱۷) البخاری، الامام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر ۲۲۹۷، باب وھل یرجع فی الحوالۃ)

(۱۸) عثمانی، ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، کراچی، ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیۃ (۱۴/ ۴۹۰)، کتاب الحوالۃ)

(۱۹) دیکھئے: الشامی، محمد بن عابدین الشامی، رد المختار، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی (۵/ ۳۳۲)

(۲۰) الزحیلی، الدکتور وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، بیروت، دار الفکر ۱۹۸۴ء (۵/ ۱۴۷)

(۲۱) البخاری، الامام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر ۲۷۴۲، کتاب الوصایا)